ایمان افروز اور سبق آموز کہانیوں کا سلسلہ

آستین کے سانپ

کہانی نمبر 8

گھونسلے سے گرنے والے

حافظ عبدالرزاق

اساس انسٹیٹیوٹ

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام مجموعہ:	آستین کے سانپ
نام کہانی:	گھونسلے سے گرنے والے
مصنف:	حافظ عبدالرزاق
تعداد:	ایک ہزار
تاریخ:	جنوری 2024
زیر انتظام:	اساس انسٹیٹیوٹ
پبلشر:	اردو سرائے
رابطہ نمبر:	محمد عبداللہ 0334-9363518

دل کی بات

قدرت نے انسان کے سامنے دو راستے رکھے ہیں۔ایک حق اور دوسرا باطل...ایک سچ اور دوسرا جھوٹ...ایک صحیح اور دوسرا غلط...اس وقت دنیا میں جتنی بھی نظریاتی محنت ہو رہی ہے ،اس میں ہر کوئی اپنے آپ کو حق اور سچ کا دعویدار کہتے ہوئے دوسرے کو غلط اور جھوٹ ثابت کر رہا ہے۔

خالقِ کائنات نے اپنی کتاب،قرآن مجید فرقانِ حمید میں حق اور باطل کی نشانیاں واضح کی ہیں ۔حق والوں کا راستہ بھی بتایاہے اور باطل کی ریشہ دوانیوں سے بھی پردہ چاک کیاہے۔باطل نے حق کا راستہ روکنے کے لیے کبھی علی الاعلان اُسے للکارا ہے اور کبھی حق کا جعلی روپ دھار کر بہروپیے کی شکل اختیار کی اور حق والوں کو سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی ہے۔اس ساری محنت کے پیچھے نسلِ آدم کا ازلی دشمن ابلیس ہی ہے۔

ابلیس جب سے راندہِ درگاہ ہوا،تب سے ہی انسان کو گمراہ کرنے پر لگا ہوا ہے۔ایسی صورتِ حال میں انسان کے لی درست راستے کا انتخاب ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دراصل خاتم النبین ہیں۔ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی اپنی نبوت کے ساتھ نہیں آئے گا ، مگر قدرت کے اس فیصلے سے بغاوت کرنے والے کئی شیطان کے ہرکارے میدان میں آئے،اپنا اپنا منجن بیچا،عوام کو گمراکرنے کی کوشش کی۔انھی میں ایک نام مرزاغلام احمد قادیانی کا ہے جس نے خود کو یسوع مسیح کہتے ہوئے نبوت جیسے عظیم مرتبے کی توہین کی۔

مرزے کی سوچ دراصل ہندوستان میں انگریز سرکار کی طے شدہ پالیسی کا تسلسل تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد مرزے کے بدبخت پیروکاروں نے اس نئے اسلامی ملک میں اپنے پنجے گاڑنے

شروع کر دیے۔ مگر فدایانِ ختم نبوت کی بیش بہا قربانیوں کی بدولت حکومتِ پاکستان کو انھیں غیر مسلم اور کافر قرار دینا پڑا اور اب ان کا کفر آئینِ پاکستان کا حصہ ہے۔ مگر اس کے باوجود قادیانی اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف ہیں۔ اسی سلسلے میں ادارہ ''اساس'' نے بھرپور انداز میں جواب دیتے ہوئے اہلِ اسلام کو ان کی چالوں سے خبردار کیا ہے۔

قادیانیت کے مکروہ چہرے سے نقاب اتارتی ایسے واقعات، ایسی کہانیاں جو روز کہیں نہ کہیں وقوع پذیر ہوتی ہیں، ادارہ اساس نے انھیں جمع کر کے نئے اسلوب کے ساتھ ''آستین کے سانپ'' کا عنوان دیا ہے۔ یہ کہانیاں مختلف ذیلی عنوانات کے ساتھ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ انھیں خود بھی پڑھیے اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے میں ہمارے معاون بھی بنیے۔

اساس انسٹیٹیوٹ

گھونسلے سے گرے بوٹ

آج ہم دونوں کالج میں صبح سویرے ہی پہنچ گئے تھے۔ دھند اور سردی میں ہمیں واک کرنا اچھا لگتا تھا۔ اس لیے میں کالج آتے ہوئے باسل کو ساتھ لے آیا تھا۔ کالج میں درختوں کے نیچے واک کرتے ہوئے ہم پتوں سے شبنم کے قطرے گرنے کا نظارا کر رہے تھے۔ ہلکی سی دھند فضا میں چھائی ہوئی تھی۔ اچانک چوں چوں کی آواز نے ہمیں اپنی جانب متوجہ کیا:

''باسل ... ! یہاں شاید چڑیا یا اس کے چھوٹے بچے ہیں۔'' میں نے باسل کو مخاطب کر کے کہا۔

''ہاں ... ! وہ دیکھو ! درخت کے نیچے چڑیا کے دو بوٹ ... چچ چچ ... بے چارے سردی میں یہاں پڑے ہوئے ہیں۔''

''شاید یہ گھونسلے سے ابھی ابھی نیچے گرے ہیں۔'' میں نے درخت کے اوپر گھونسلا تلاش کرتے ہوئے کہا۔ پھر ہم دونوں تیزی سے ان بوٹس کی جانب بڑھ گئے۔ باسل نے ایک بوٹ کو اپنی ہتھیلی پر بٹھا لیا تھا۔

''وہ دیکھو گھونسلا ... وہ بڑے تنے کے عین اوپر ...'' میں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ ...ہاں! یقیناً یہ اسی گھونسلے سے گرے ہیں، مگر ہم انھیں گھونسلے تک کیسے پہنچائیں۔''میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یار..مجھے لگتا ہے کہ ان کی ماں ان کے لیے دانہ واغیرہ ڈھونڈنے گئی ہوگی اور یہ پیچھے شرارتیں کرتے ہوئے نیچے آن گرے ہوں گے۔ابھی بہت چھوٹے ہیں ناسمجھ ہیں...انہیں علم نہیں کہ یہاں انھیں کوئی بلی ختم کردے گی،اور نہیں توموسم کی سختی ہی ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے۔ہمیں ہی ان کی مدد کرنا ہوگی۔''

باسل نے تفصیل سے سمجھایااور دونوں بوٹس کو ہتھیلی پر رکھے درخت پر چڑھ گیا۔ابھی وہ تھوڑاسااوپر ہی گیا تھا کہ چڑیاچوں چوں شور مچاتی ہمارے سروں پر منڈلانے لگی۔مگر جب چڑیانے دیکھاکہ ہم اس کی مدد کررہے ہیں تواس نے چیخنا تھوڑاکم کردیا۔

جیسے ہی باسل بچوں کو گھونسلے میں رکھ کرواپس ہواتو چڑیاایک بار پھر اظہار تشکر کرتے ہوئے ہمارے سروں پر چکر کاٹنے لگی۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھونسلے میں چلی گئی۔اس خوبصورت منظر کو دیکھ کر ہم اللہ کی قدرت پر حیران رہ گئے۔

دوستوں میں میراپیارادوست باسل...!آپ کو بتاتا چلوں کہ یہ میراسب سے پہلاانتخاب تھا۔جانتا تو میں اسے پہلے سے تھا۔ لیکن ہماری دوستی پانچویں جماعت سے اس وقت شروع ہوئی،جب ہم دونوں ہم جماعت بنے۔مجھے متاثر کرنے کے لیے اس کے پاس بہت کچھ تھا، مگر اُسے متاثر کرنے کے لیے میرے پاس کچھ بھی تو نہیں تھا۔

سوائے میرے باباکے کہ باسل ان کی لیاقت و قابلیت سے بہت مرعوب تھا۔اسی وجہ سے وہ میرادوست بنا تھا۔ جلد ہی وہ مجھے اس قدر عزیز ہوگیا تھا کہ اس سے باتیں کیے بغیر میرادن نہیں گزرتا تھا۔باسل زبان کی بجائے اظہار واعتراف کا قائل تھا،یہی وجہ تھی کہ میں نے جب کبھی ہماری دوستی کے نام شاعری کے کچھ پھول چن کراس کی سماعتوں کی نذر کیے تو سن کر کچھ نہ کہتا،بس مسکرادیتا۔

ایف ایس سی کی تکمیل ہوئی تو کچھ ایسا ہواکہ جس سے ہماری دوستی کی گاڑی کو شدید جھٹکالگا۔

ہم دونوں دوستی کی اس گاڑی کے سوار مخالف سمتوں میں جا گرے، میں نے بھی باسل کی طرح ایف ایس سی میں اے گریڈ حاصل کیا تھا۔ میڈیکل میں آسانی سے داخلہ ہو سکتا تھا،اس وقت یہ ایٹا میٹاوالے ٹیسٹوں کے چکر بھی نہ تھے۔ جو ایف ایس سی اچھے نمبروں سے پاس کرلیتا،وہ گویا مستقبل میں اس کے ڈاکٹر بننے کی نوید ہوتی تھی۔ میں بہت خوش تھا کہ اب اکٹھے کسی میڈیکل کالج میں داخلہ لیں گے، مگر بابا کی بات نے مجھے لرزادیا:

’’میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ تمھیں جسمانی ڈاکٹر کی بجائے روح کا معالج بناؤں۔ کل ملتان چلیں گے۔ تمھیں خیر المدارس میں داخلہ دلوانا ہے،میں نے ایک عزیز سے بات کرر کھی ہے۔‘‘

’’اُف خدایا! میری حالت ایسی ہو گئی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، ابا کے ڈر سے کچھ کہا بھی نہیں م مگر کلیجہ منہ کو آگیا۔ دل تو ہر گز آمادہ نہیں تھا۔ مگر ابا کے فیصلے سے انکار کرنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ سب سے پہلا خیال مجھے باسل کا آیا کہ اب کیا ہوگا؟‘‘

’’کیا وہ میری خاطر میڈیکل کی بجائے مدرسے میں تعلیم حاصل کرلے گا؟ میں تو اس کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ پاتا تھا، مدرسے میں کیسے رہ پاؤں گا؟ خیر اللہ کے کام ہو کر رہتے ہیں۔‘‘ میں مسلسل گہری سوچ میں تھا۔

باسل پہنچا خیبر میڈیکل کالج پشاور اور ہم پہنچے خیر المدارس ملتان میں...!!

اللہ کے دین کا علم سیکھنا تھا۔ اس لیے باسل جیسا بہت اچھا دوست سب سے پہلے مجھ سے الگ کیا گیا۔ گویا سمجھایا گیا کہ سب کو چھوڑ کے آؤ گے تو ملوں گا۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں یہ آواز حق گونج رہی تھی کہ دنیا کی دوستی چھوڑو گے تو اللہ کی دوستی پاؤ گے۔

یہاں ایک بات بتاتا چلوں، باسل میں بہت ساری اچھائیوں کے ساتھ کچھ اخلاقی کمزوریاں بھی تھیں۔ جو پہلے پہل دوستی کے باعث مجھے خوبیاں لگتی تھیں،ان میں سے ایک بات جو مجھے بہت چبھتی تھی، وہ یہ تھی کہ وہ کسی شخص کے جسمانی عیب کے باعث اس سے نفرت کرنے لگ جاتا،اور میں بے وقوف یہ سوچ کر چپ رہتا کہ باسل کا معیار پسندیدگی بہت اونچا ہے۔

خیر باسل اناٹومی کے چکر میں لگ گیا، تو میں ضَرَبَ یَضرِبُ کے گرداب میں۔ ہم نے بہت سے وعدے کیے تھے، جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہر ماہ کم از کم ایک خط ایک دوسرے کو لکھا کریں گے۔ اس وقت موبائل فون عام نہیں تھے کہ بات چیت میں آسانی رہتی۔

کچھ ہی دنوں میں ہمارے درمیان خط کتاب کا سلسلہ شروع ہو گیا، جہاں تک ملنے کی بات ہے کہ اکثر ایسا ہوتا کہ جب وہ چھٹی پر گھر آتا، تو میرا تدریسی سال عین جوبن پر ہوتا، اور میری چھٹیاں ہوتیں تو اس کے عین پڑھائی کے دن ہوتے۔ بس خط کتابت میں تسلسل تھا۔ وہ بھی سال بھر میں پانچ یا چھے خطوط۔

میرے جلالین والے سال ہیں باسل کی پڑھائی مکمل ہو گئی اور وہ ہاؤس جاب پر چلا گیا، اس سال موصول ہونے والے خطوط میں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے باسل اب محض رسم پوری کر رہا ہے۔ یہ بات مجھے محسوس تو بہت ہوئی، مگر دینی تعلیم حاصل کرنے کی برکت سے اب مجھ میں تحمل پیدا ہو گیا تھا۔ کسی بھی دنیوی چیز یا رشتے کے پیچھے پاگل نہیں ہوا جاتا تھا۔

مشکوۃ کا سال مجھے سب سے اچھا لگا اور وہ قدرے آسان بھی تھا۔ انہی دنوں پتا چلا کہ باسل سرکاری ڈاکٹر بن گیا ہے۔ ایک خط سے پتا چلا کہ اس کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔

میں نے لکھا: میرے بھائی کسی اچھی سی جگہ پر رشتہ کرنا۔ ایسا جیون ساتھی ہو، جو زندگی کے کٹھن سفر میں خوب ساتھ نبھائے۔ لیکن مجھے کسی ذریعے سے پتا چلا کہ جناب کسی ڈاکٹرنی کا رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں۔

جواب آیا: کیا تجھے خوشی نہیں ہو گی کہ تیری بھابھی ڈاکٹر ہو، بھابھی کا باپ اور بھائی بھی ڈاکٹر ہوں اور ساتھ ساتھ حیات آباد میں ان کی پراپرٹی بھی ہو۔ اب میں کسی قدامت پسند خاتون سے شادی کرنے سے تو رہا، بھئی دنیا کے ساتھ مل کر چلنا ہی پڑتا ہے۔ جب کہ تم تو ٹھہرے کنویں کے مینڈک...!

یہ جواب پڑھ کر مجھے بہت عجیب سا محسوس ہوا۔ چند روز بعد باسل کا خط آیا: مبارک ہو بھائی، میری منگنی ہو گئی ہے۔ ساری فیملی ڈاکٹر ہے اور صوم و صلوٰۃ کی پابند بھی۔ احمدی مسلمانوں میں ان

کے خاندان کا ایک نام ہے۔ شکر ہے بابا نے کسی گھریلو خاتون کے کھونٹے سے نہ باندھ دیا۔

"ہائے اللہ.... "میرے ہاتھوں کے تو طوطے ہی اُڑ گئے۔ "احمدی مسلمان...!!!کدھر پھنس گیا میرا یار؟"

مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

خط کے آخر میں اس نے مذہب سے بیزاری پر مشتمل ن میم راشد کے الحادی اشعار بھی رقم کیے، جو یہاں لکھنے کے قابل نہیں۔ میری تو نیند ہی اڑ گئی، مولانا اللہ وسایا کی کتاب آئینۂ قادیانیت اُن دنوں زیر مطالعہ تھی۔ کیوں کہ نصاب کا حصہ تھی۔ اللہ بھلا کرے مولانا کا، جنھوں نے یہ گراں قدر کتاب تالیف کی، اور بہت بہت شکریہ وفاق المدارس عربیہ کا، کہ جنھوں نے اسے نصاب کا حصہ بنایا۔

خیر میں اساتذہ کے مشورے سے فوراً چھٹی لے کر، اُن کی ڈھیر ساری دعاؤں کے حصار میں پشاور روانہ ہو گیا۔ میری منزل خیبر میڈیکل کالج تھا۔ جہاں باسل کی تعیناتی ہوئی تھی۔ اتفاق سے وہاں پہنچتے ہی باسل سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔

"ارے واہ! میری جان! تُو تو پورا بزرگ بن گیا ہے قسم سے۔" باسل مجھے دیکھ کر اچھلا مگر میرے چہرے پر یاسیت تھی۔

"ارے! تُو اتنا سنجیدہ کب ہو گیا؟ اتنے دنوں کے بعد ملے ہیں اور جناب کا منہ بنا ہوا ہے۔"

"مجھے تم سے ایک اہم بات کرنی ہے۔"

"ایک نہیں دو کرنا، مگر یہاں نہیں، چلو سامنے لان میں چلتے ہیں۔"

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

"چار روز قبل تیرا خط ملا تھا۔ تُو نے اپنی منگنی کے بارے میں لکھا تھا۔"

میں دھیمے سے بولا۔

"تو اور کیا....؟ لگتا ہے تجھے اس بات کی کوئی خوشی نہیں ہوئی؟"

"خوشی...؟ میرا تو غم کے مارے برا حال ہے۔ آخر تجھے ہو کیا گیا ہے یار!"

میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

’’ٹھیک تو ہوں، مجھے کچھ نہیں، شاید تجھے کچھ ہو گیا ہے۔ شاید شدت پسندی کا بخار...‘‘ اس نے طنز کیا تھا۔

’’آخر ایسی کونسی مجبوری ہو گئی کہ تو وہاں رشتہ کر رہا ہے۔ کم از کم عام سی مسلمان عورت ہی ڈھونڈ لیتا، بھلے سے جتنی بھی ماڈرن ہوتی، چہ جائیکہ مرزائی... اور وہ بھی کہ جو چوٹی کے لوگوں میں۔‘‘

یہ بات سنتے ہی باسل کا منہ بن گیا اور کہنے لگا:

’’بھئی حیاتِ آباد میں پراپرٹی ہے اُن کی، آئے روز کینیڈ آتے جاتے ہیں۔ یہ موجیں اگر میرے حصے میں بھی آجائیں کہ تو کیا تیرا کچھ بگڑ جائے گا؟‘‘

باسل کے منہ سے دنیا کے لالچ کی بو آرہی تھی۔

’’یعنی یہ سب دنیا کی خاطر ہے اور آخرت کا کیا بنے گا، کچھ سوچا ہے تُو نے؟‘‘ میں چیخ پڑا۔

’’ذرا آہستہ بات کر یار! کوئی سن نہ لے۔‘‘

’’جانتے بھی ہو، یہ کون لوگ ہیں؟‘‘ میں نے غصے سے پوچھا۔

’’ہاں ہاں! مرزا غلام احمد کے پیروکار ہیں۔ اس کے مشن کے مبلغ، اس کے کاز کی خاطر ایک نظم و ضبط کے تحت کام کروانے والے، انتھک مخلص لوگ...‘‘

باسل نے تعریف کی۔

’’اور ہم کون ہیں؟‘‘

’’کیا مطلب...؟‘‘

’’ہم شاید نفس کے پیروکار، شیطان کے بندیاور ختم نبوت کے ڈاکوؤں کے حمایتی، اِن کی دولت پر رال ٹپکانے والے ہیں۔‘‘

میں جذبات کی رُو میں بہہ گیا۔

’’میرے بھائی! تُو اتنا جذباتی کیوں ہو رہا ہے؟‘‘

''تو تُو نے قدم اُٹھایا ہی ایسا ہے۔'' میں باقاعدہ رو پڑا۔

اُس کا دل پسیجا، آگے بڑھ کر اُس نے میرے آنسو صاف کیے اور مجھے تکنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد میں گویا ہوا۔

''یاد ہے باسل! تیری ایک عجیب سی عادت ہوا کرتی تھی!''

''کون سی عادت...؟'' وہ مسکرا کر مزید متوجہ ہوا۔

''یہی کہ تیرا معیارِ پسندیدگی اتنا اونچا ہوتا تھا کہ کوئی اگر عیب دار شخص سامنے آتا، تو تجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ خواہ اس آدمی میں جسمانی عیب ہو یا پھر اخلاقی عیب....''

''میں تو آج بھی اسی روش پہ قائم ہوں۔'' باسل نے فخر سے کہا۔

''تو بندۂ خدا یہ مرزا قادیانی تجھے کیسے ہضم ہو گیا؟''

''کیا مطلب بھئی....؟''

باسل نے حیرت سے پوچھا تو میں نے اسے سمجھایا:

''بھئی دیکھو! جس آدمی کی ایک آنکھ فیوز ہو اور دماغی توازن بگڑا ہوا ہو۔ صرف یہی نہیں، جو آدمی گڑ کی ڈلی سے استنجا کیا کرتا ہو اور مٹی کے ڈھیلے کو گڑ کے طور پر استعمال کر لیا کرتا ہو۔ جس کی بدگوئی سے اس کے ماننے والے بھی شرماتے ہوں۔ جو جھوٹوں کا سردار ہو، جس میں بے شمار اخلاقی عیب ہوں، یہاں تک کہ جسے شریف انسان بھی نہ کہا جا سکتا ہو۔''

''اور یہ سب باتیں اس کے پیروکاروں نے کتابوں کی زینت بھی بنائی ہوں، پھر اتنی باتوں کے باوجود وہ تجھے کیسے بھا گیا۔ تُو تو مجھے یاد ہے کہا کرتا تھا کہ آقا ﷺ کے سوا آنکھوں میں کوئی جچتا ہی نہیں ہے۔'' میں نے تفصیل بتائی۔

''نن نہیں... کک.... کیا.... کیا واقعی مرزا ایسا تھا؟'' باسل غیر یقینی کے عالم میں بولا۔

''اس سے بھی زیادہ....'' میں نے یقین دلایا۔

''اُن لوگوں نے تو مجھے کبھی نہیں بتایا۔''

''بتاتے بھی کیوں؟؟ کبھی کسی نے اپنے عیب دکھائے ہیں؟ وہ تجھے دھوکے سے اپنے ساتھ

شامل کرلیں گے،اور جب تیرے ہاتھ پیر کٹ جائیں گے،تو تو جان کر بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔''

''لیکن آخران لوگوں کا مقصد کیا ہوگا، مجھے اپنا داماد بنانے کا؟''

''داماد نہیں....آلہِ کار بنانے کا، وہ اسی طرح کی مختلف ترغیبات دے کر ایمان پر ڈاکا مارتے ہیں اور جب ایمان لُٹ جاتے ہیں تو آہستہ آہستہ دل کالا ہو جاتا ہے۔اور آدمی ڈاکوؤں کا آلہِ کار بن کر دوسرے ایمان والوں کا ایمان بھی لوٹنے لگتا ہے۔''

''یہ جو باتیں تم نے ابھی بتائی ہیں، کیا تم یہ سب مجھے ان کی کتابوں سے دکھا سکتے ہو؟''اُس نے پوچھا۔ہمیشہ کی طرح اعلیٰ معیار رکھنے والا باسل مرزا کے انہی اوصاف میں اُلجھا ہوا تھا۔

''ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلو باسل!''میں نے فیصلہ سنایا۔

''اچھا رُکو! میں ابھی درخواست دے دوں، پھر چلتے ہیں۔''اس نے جلدی سے کہا۔

''پھر اسی دوپہر ہم ملتان کے لیے روانہ ہوگئے،ہماری منزل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا مرکزی دفتر تھا۔جہاں ہماری طویل میٹنگ طے تھی۔ بعد میں کیا ہوا؟آپ خود سمجھ دار ہیں،اسے رہنے ہی دیں۔بس اتنا جان لیں کہ ڈاکٹر محمد باسل اب اکثر یہ مصرع گنگناتا ہے:

''ملتان کی راہوں کی دھول پہ نثار... شکر ہے خدایا تُو نے عین وقت پر میری آنکھیں کھول دیں۔''

باسل عاجزی کا پیکر بنا ہوا تھا۔وہ اپنی واپسی کی منزل پانے پر بہت شاد اور ربّ تعالیٰ کا شکر گزار تھا۔

ایک دن ڈاکٹر باسل نے مجھ سے پوچھا:

''مولانا...! یہ بتایئے کہ جو حرکت مجھ سے جانے ان جانے میں سرزد ہوگئی تھی کہ اس پر مجھے پوچھ تاچھ ہوگی؟''

باسل کا یہ سوال سن کر میں مسکرا دیا:

''ارے یار۔۔! یاد کرو کالج کا وہ دن ...جب ایک روز ہم صبح سویرے کالج گئے تھے اور سردی میں ہم نے چڑیا کے بوٹس کو زمین پر چوں چوں کرتے پایا تھا۔تب یاد ہے کہ تم نے کیا کہا

تھا؟“

”یہی کہ چڑیا کے بوٹس ناسمجھ ہیں اس لیے اچھل کود کر کے نیچے آن گرے ہیں، ہم ان کو ان کے ٹھکانے یا اصل منزل تک پہنچا آتے ہیں۔“ باسل نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔اس پر میں کھلکھلا کر ہنس دیا۔

”ہاہاہا... سمجھو کہ تم بھی چڑیا کے ان بوٹس کی طرح تھے، جو اپنی نادانی کی وجہ سے گھونسلے سے پھسل چلے تھے۔ شکر خدا کا کہ اس نے بروقت تمھیں اصل ٹھکانے اور تمھاری اصل منزل کی طرف لوٹا دیا۔“

”اوہ...!واقعی ! اور اس بوٹ کو گھونسلے میں پہنچانے کا کریڈٹ تمھیں جاتا ہے میرے دوست۔۔! بہت بہت شکریہ۔۔!!“ باسل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆....☆....☆